© rasailojaraid.com

پاکستانی معیشت کے ۷۰ سال

وقار مسعود خاں ○

پاکستان انتہائی نامساعد حالات میں وجود میں آیا۔ غیر منقسم ہندستان کے جن علاقوں پر یہ مشتمل تھا، وہ پس ماندگی کی نچلی سطح پر تھے، اور اگر اس علاقے میں کوئی قابل ذکر انفرااسٹرکچر تھا (مثلاً ریلوے یا نہری نظام) تو وہ یہاں کی عمومی معاشی ترقی کے لیے نہیں، بلکہ روس کی ممکنہ جارحیت کو روکنے اور جنگ آزادی میں انگریز کا ساتھ دینے والوں کو جاگیروں سے نوازنے اور ان کی زمینوں کو پانی فراہم کرنے کے لیے تھا۔ چنانچہ، اس قدر پس ماندہ علاقوں پر مبنی ایک علیحدہ اور خودمختار ریاست کا وجود میں آنا اور قائم رہنا بہت سے تجزیہ نگاروں کے نزدیک ایک بڑا محیرالعقول واقعہ رہا ہے۔ کانگریس کے کچھ لیڈروں نے یہ کہہ کر اس مطالبے کی مخالفت ختم کردی کہ چھے ماہ سے زیادہ یہ چل نہیں سکے گا، اور خوار ہو کر واپس آن ملے گا۔ لیکن ان تمام تجزیوں اور پیش گوئیوں کے باوجود، نہ صرف اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں پر اپنی اس نعمت کو قائم رکھا، بلکہ یہ ملک دسمبر ۱۹۷۱ء میں دولخت ہونے کے بعد بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

اس مضمون میں ہم نہایت اختصار سے اس سفر کی رُوداد بیان کریں گے: ہم کہاں کھڑے تھے (جس کا مختصر ذکر ہو گیا)، کہاں پہنچ گئے ہیں، اور مستقبل کے کیا امکانات ہیں؟

پہلا دور: عرصہ پلاننگ (۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۱ء)

اس دور میں پاکستان نے زبردست معاشی ترقی حاصل کی اور یہ بھی قریب تھا کہ ہم پس ماندہ ممالک کی فہرست سے نکل کر تیز رفتار ترقی پذیر ممالک کی صف میں شامل ہو جاتے۔ پانچ سالہ

○ بوسٹن یونی ورسٹی سے معاشیات میں پی ایچ ڈی اور سابق وفاقی سیکرٹری وزارتِ خزانہ حکومت پاکستان، اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصوبہ بندی کا سلسلہ جاری ہوا اور ایک مضبوط مرکزی حکومت نے سارے معاشی عمل کو قوانین، ضابطوں اور منظوریوں کے زیر اثر رکھا۔

بلاشبہہ اس دور میں پاکستان کی معیشت نے بڑی تیز رفتار ترقی کی، جس کی اوسط شرح ۶ فی صد سے زیادہ رہی۔ ملک میں صنعتوں کا جال بچھا، زراعت میں سبز انقلاب آیا، شہروں کی آبادی میں نمایاں اضافہ ہوا، غربت میں کمی واقع ہوئی اور تعلیم اور صحت ایسے سماجی شعبوں میں بھی گراں قدر کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ پاکستان کی مجموعی قومی آمدنی (جی ڈی پی) جس کا اندازہ ۱۹۴۷ء میں ۲۴ ؍ارب روپے تھا، وہ بڑھ کر ۵۵ ؍ارب ہوگئی، جب کہ فی کس آمدنی ۳۱۱ روپے سے بڑھ کر ۴۵۰ روپے ہوگئی۔

بدقسمتی سے اس دور میں ہم سے کم از کم تین بڑی خطائیں بھی سرزد ہوئیں: ● اول، معاشیات میں غیر شعوری طور پر سیاست بھی در آئی ● دوم، سماجی انصاف کی ضرورتوں کا ہمیں صحیح ادراک نہیں ہوسکا؛ اور ● سوم، ترقی کے لیے جو وسائل درکار تھے، ان کے حصول میں ہم اپنے اہم قومی مفادات کا کماحقہ تحفظ نہ کرسکے۔ ہم یہاں پر تینوں خطاؤں کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں:

● پہلی، چوں کہ مرکزی حکومت بہت طاقت ور تھی اور ملک میں یا تو آئینی بحران رہا، یا پھر فوج کی بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت رہی، تو ایک جانب صوبائی خودمختاری کے مسائل نے جنم لیا۔ دوسری جانب عوام کی عدم نمایندگی کی وجہ سے سیاسی بے چینی پیدا ہوئی۔ ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے مصنوعی حل نکالے گئے (جیسا کہ ۱۹۵۶ء میں 'ون یونٹ کا قیام' اور ۱۹۶۲ء میں 'صدارتی نظام' کا اجرا)۔ ایوب خان کی مارشل لا حکومت نے سیاسی صورت گری کے لیے معاشی طاقت کو بے دردی سے استعمال کرنے کی بنیاد رکھی (مثلاً 'کنونشن مسلم لیگ' کا قیام، اقربا پروری اور پسندیدہ اور منظورِ نظر افراد کو پرمٹ، قرضوں، سرمایہ کاری کی اجازت وغیرہ کی فراہمی)۔ یوں معاشی ترقی کو سیاست کا گھن لگ گیا اور اس کا عوامی اعتبار کمزور پڑ گیا اور ملک میں اس کے چرچے ماند پڑتے چلے گئے۔

● دوسری، معاشی ترقی کی اوسط (average) میں بیان کی جانے والی پیمایش عام طور پر اس کی اندرونی تقسیم میں موجود تفاوت کو چھپا دیتی ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کس کو زیادہ فائدہ ہوا اور کون محروم رہ گیا۔ باوجودیکہ اس دور میں مجموعی غربت میں کمی واقع ہوئی، لیکن دوسری طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آمدنی کی تقسیم میں زبردست بگاڑ پیدا ہوگیا۔ ایک طرف مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) اور مغربی پاکستان (یعنی موجودہ پاکستان) میں عمومی معاشی تفاوت بڑھا (جس کے بیان میں وہاں کی سیاسی قیادت نے بہت مبالغہ آرائی کر کے دونوں حصوں میں غلط فہمیاں پھیلائیں)۔ دوسری طرف صنعتی ترقی کے ثمرات چند صنعت کار گھرانوں (مشہور ۲۲ خاندان) اور زرعی ترقی کے ثمرات نام وَر جاگیرداروں تک محدود رہ گئے اور مغربی پاکستان کے عوام اور خصوصاً محنت کش اور کسان طبقات میں احساسِ محرومی پھیل گیا۔

- تیسری، اور شاید سب سے بڑی خطا یہ ہوئی کہ اس ترقی کے حصول میں ہم اپنے قومی مفادات کا پوری طرح تحفظ نہ کرسکے۔ امریکا سے بے جا قربت میں پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت نے امریکی بلاک کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا مگر 'سرد جنگ' میں پھر امریکا کی زیرقیادت 'ناٹو' اور سوویت یونین (اشتراکی روس) کی زیرقیادت 'وارسا پیکٹ' جیسی فوجی جتھہ بندیوں نے ہمیں دنیا میں کوئی معروف مقام نہیں دلایا۔ اس کا ایک اور نقصان یہ ہوا کہ امریکی امداد کے مقاصد اور ہماری امریکا سے توقعات میں ہمیشہ ایک تفاوت رہا ہے۔ مثلاً ہم نے بلاوجہ امریکا کو بھارت کے مقابلے میں اپنا دوست سمجھا، جب کہ حقیقتاً امریکا نے بھارت کو ہم سے زیادہ عزیز رکھا اور مقابلتاً کبھی پاکستان کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا۔ اس تلخ حقیقت کا سب سے بڑا تجربہ ہمیں اس وقت ہوا، جب ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں امریکا نے ہم کو کسی طرح کی نہ صرف مدد دینے سے انکار کر دیا بلکہ دفاعی ساز و سامان کی طے شدہ ترسیل بھی روک دی۔ دوسری جانب تلخ ترین بات یہ ہے کہ بھارت پہ التفات یہ کیا گیا کہ اُس کی کمیونسٹ روس سے قربت اور نام نہاد غیروابستہ ممالک کی تنظیم میں کلیدی کردار کے باوجود مختلف شکلوں میں عنایات جاری رہیں۔ لیکن ہم نے امریکی قربت کو روس کی دعوت کو رد کر کے حاصل کیا تھا اور یوں ہم نے خود اپنی ممکنہ حکمت عملی کو محدود کر دیا۔

اس دور کا خاتمہ مارچ ۱۹۶۹ء میں جنرل ایوب خان کے اقتدار کے خاتمے کے ساتھ ہوگیا، لیکن اس کے اثرات میں ملک دولخت بھی ہوگیا۔

دوسرا دور: سوشلزم اور قومیانے کا عمل (۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۷ء)

اس دور میں معیشت کی تنظیم کا نظریہ یکسر بدل گیا۔ یہ پہلے دور کی غلطیوں اور خطاؤں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ردعمل تھا۔ تمام بڑی صنعتوں کو اور سارے بنکنگ اور مالیاتی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ نجی شعبے کا معاشی عمل میں کوئی قابل قدر کردار باقی نہ رہا۔ آجر و مزدور کے تعلقات میں زبردست ضد (antagonism) پیدا ہوگئی، اور دوسری جانب زرعی اصلاحات کی وجہ سے عام محنت کش کسانوں اور جاگیرداروں کے درمیان بھی حالات کشیدہ ہو گئے۔ لیکن ان اقدامات سے کسی حد تک معاشرے میں سیاسی حقوق سے آگہی اور ان کے جدوجہد کے راستے بھی کھل گئے۔ گو اس دور میں سرکاری شعبے میں بنیادی صنعتوں کا جال پھیلایا گیا (مثلاً اسٹیل ملز، نیوکلر پاور، بنیادی کیمیکلز اور مصنوعی دھاگا وغیرہ)، لیکن ان کے ثمرات فوری طور پر قومی اور سماجی زندگی میں سامنے نہیں آئے۔ معاشی ترقی کی رفتار جو گذشتہ دور میں حاصل ہوئی تھی، وہ بھی کم ہو کر رہ گئی۔ ۶ فی صد کے مقابلے میں، اس دور میں یہ رفتار ۴ فی صد سے بھی کم سطح پر آ رہی۔

اس کے ساتھ ہی حکومت نے 'عالمی مالیاتی فنڈ' (IMF) کے کہنے پر شرح تبادلہ میں یکمشت ۱۰۰ فی صد سے زیادہ اضافہ (devaluation) کر دیا، جس کی وجہ سے قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ ہو گیا اور مہنگائی کا سیلاب آ گیا، جو عام آدمی کے لیے بہت تکلیف کا باعث بنا۔ یوں باوجود اس دور میں تقسیم آمدنی میں بہتری لانے کی کوششوں کے، غربت میں قابل قدر کمی واقع نہ ہو سکی۔ شرح تبادلہ میں اس بڑی تبدیلی سے درآمدات کو زبردست فائدہ ہوا اور ملک کا بیرونی ادائیگیوں کا توازن (Balance of Payments) ۱۹۵۱ء کے بعد دوبارہ منافع میں بدل گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب دسمبر ۱۹۷۱ء میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی حکومت نے اقتدار سنبھالا، تو ملک نہ صرف دولخت ہونے کے صدمات سے نبرد آزما تھا، بلکہ سرد جنگ میں بڑی طاقتوں کی قربت اور ان کی امداد سے حاصل کی ہوئی معاشی ترقی سے منسلک گمبھیر مسائل کا بھی سامنا تھا۔ لہٰذا، ایک لحاظ سے شرح تبادلہ میں مناسب اضافہ ضروری تھا، تاکہ درآمدات کو برآمدات پر بے جا ترجیح دینے کا عمل ختم ہو۔ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ اس دور کی غلطیوں کا ازالہ بھی کیا جائے، خصوصاً آمدنی اور دولت کے ارتکاز کو توڑا جائے۔

پیپلز پارٹی کی پہلی حکومت کے انقلابی اقدامات اور سوشلسٹ پالیسیوں کے نتیجے میں مغربی ذرائع سے بیرونی وسائل کی آمد بند ہو گئی۔ لیکن اس کمی کا توڑ کرنے کے لیے بھٹو صاحب نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم ممالک سے تعاون کو زبردست فروغ دیا۔ فروری ۱۹۷۴ء میں لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس نے اس ضمن میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تعاون نے بیرونی وسائل کے حصول میں آسانی پیدا کردی۔ خصوصاً اس دور میں پاکستان کی افرادی قوت کی مشرق وسطیٰ میں درآمد کے راستے کھل گئے اور ان کی بھیجی ہوئی ترسیلات (Remittances) کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

تیسرا دور: نجی و سرکاری شعبوں کا اشتراک (۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۸ء)

اس دور میں ابتدائی طور پر یہ کوشش کی گئی کہ دوسرے دور کے وہ انقلابی اقدامات، جن سے بڑی حد تک معاشی نظام تتر بتر ہوگیا تھا، اس کی تلافی کی جاسکے۔ اس مقصد کے تحت 'عقیلی کمیٹی' بنائی گئی، جس نے بلاکم و کاست تجویز کیا کہ: ''قومیائے گئے اثاثوں کو اصلی مالکان کو واپس کردیا جائے'' اور کچھ اثاثے واپس بھی کردیے گئے۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ بہت جلد حکمرانوں کو احساس ہوگیا، یا پھر احساس دلایا گیا کہ سرکاری شعبے میں اتنی عظیم الشان معاشی طاقت کو نج کاری یا پرانے مالکان کو واپس کرنے کے بجاے، موجودہ نظام کو خوش اسلوبی سے چلایا جائے، تاکہ سیاسی سرپرستی (political patronage) اور 'مثبت' سیاسی نتائج کے حصول کے لیے حکومت کے پاس دینے کے لیے ترغیبات موجود ہوں۔ لہٰذا، جلد ہی ایک نظام وضع کرلیا گیا، جس کے تحت سرکاری کارپوریشنوں میں تعینات مینیجرز کے لیے علیحدہ نام نہاد مینجمنٹ اسکیلز بنادیے گئے اور ان کی کارکردگی کے جانچنے کے لیے پہلے سے موجود ایک ادارے کی تنظیمِ نو کی گئی۔ یوں اس عوامی حکومت کے بنائے ہوئے نظام کو 'پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے' کے مصداق فوجی حکومت کی حمایت حاصل ہوگئی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، گو اس کا حجم بہت کم ہوگیا ہے۔

اس دور میں سب سے بڑی تبدیلی اُس وقت رونما ہوئی، جب دسمبر ۱۹۷۹ء میں اشتراکی روسی افواج، افغانستان میں کھلے عام، پوری قوت سے گھس آئیں۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان نے اس مداخلت کی مخالفت اور اس کی مزاحمت کا فیصلہ کرلیا۔ یوں ۱۰ سال کا عرصہ اس مزاحمت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل سے نبردآزما ہونے میں صرف ہوگیا۔ اس صورتِ حال میں ایک دفعہ پھر پاکستان اور امریکا کے درمیان قربت پیدا ہوگئی، لیکن ازاں بعد اس کا بھی خاتمہ ویسے ہی ہوا جیسے کہ ماضی میں ہوا تھا۔ لیکن اب کی بار پاکستان اپنے تحفظ کے لیے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کامیاب ہوگیا۔ ۹۰ کا عشرہ اندرونی اور بیرونی سازشوں کو ناکام بنانے میں صرف ہوگیا۔ پاکستان نے اس مزاحمت کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے اور آج تک کر رہا ہے۔ افغان مہاجرین کی آمد کے نتیجے میں مناسب نظم وضبط کی کمی کے باعث اسلحے کی فراوانی اور منشیات کی اسمگلنگ، معاشی بدنظمی، معاشرتی بگاڑ اور امن وامان کی صورتِ حال کی خرابی جیسے مسائل کھڑے کر دیے۔

چوتھا دور: کاروبار اور سیاست کا اختلاط

یہ وہ دور ہے، جو اَب بھی جاری ہے۔ ہم نے عرصے کی طوالت کے علی الرغم اس دور کو اس لیے جاری دور کہا ہے کہ اس کی جوہری صفت آج بھی ہماری معاشی تنظیم میں موجود ہے۔ لیکن اس دور میں ایک عرصہ پھر فوجی حکومت کے زیراثر گزرا ہے۔ یہاں ہمیں کسی حد تک فوجی حکومت کے آٹھ برسوں کو الگ سے دیکھنا ہوگا۔ لہٰذا، ہم اس کو تین ذیلی حصوں میں تقسیم کریں گے:

ذیلی دور: ۱- سیاسی عدم استحکام (۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۹ء)

اس دور کا آغاز ۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل محمد ضیاء الحق کی مارشل لا حکومت کے تحت، پیپلز پارٹی کے بنے سیاسی نظام کے ڈرامائی خاتمے کے بعد ہوا۔ اس دور میں مسلسل سیاسی کشیدگی رہی، جس کا ایک بڑا سبب اپریل ۱۹۷۹ء میں ایک مقدمہ قتل میں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینا بھی تھا۔ دوسری جانب نسبتاً نوعمر قیادت کی ناتجربہ کاری سے پیدا ہونے والے مسائل تھے۔ اس کے ساتھ دنیا میں تاریخی تبدیلیاں رُونما ہوگئیں۔ سوویت یونین کا دسمبر ۱۹۹۱ء میں خاتمہ ہوگیا، برلن کی دیوار گرگئی، یورپ متحد ہوگیا اور امریکا دنیا میں واحد سوپر پاور بن کر اُبھرا۔

اس کے ساتھ ہی ایک نیا معاشی نظام وجود میں آنے لگا، جس کو 'عالم گیریت' سے منسوب کیا گیا۔ بین الاقوامی سطح پر نئے نظام میں سرمایہ بغیر روک ٹوک کے ساری دنیا میں گردش کرنے لگا۔ شرح سود کھلی مارکیٹ میں طے ہونے لگی۔ سرکاری سطح پر امداد کی فراہمی کا عمل تیزی سے ختم ہونے لگا۔ دنیا میں نج کاری، آزاد معیشت، حکومتی کنٹرول کا خاتمہ، بیرونی سرمایہ کاری کے لیے منڈیوں کو کھولنا اور تجارت اور سرمایہ کاری کے لیے ساری دنیا کے لیے یکساں مواقع کی فراہمی عام ہوگئی۔ مزید افتاد یہ آن پڑی کہ افغانستان سے روس کے اخراج کے ساتھ ہی امریکا بھی علاقے سے نکل گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پاکستان کی امداد کا سلسلہ بھی رک گیا۔ علاوہ ازیں امریکی کانگرس کی جانب سے 'پریسلر ترمیم' کے ذریعے پاکستان پر اقتصادی پابندیاں لگانے سے ایک نئے امتیازی دور کا آغاز ہوا، جس میں پاکستان کے ایٹمی اور میزائل پروگرام کی معطلی اور CTBT پر دستخط کے مطالبات بھی شامل ہوگئے۔

اس دور میں ملک میں شدید سیاسی عدم استحکام رہا۔ ۱۰ سال کے عرصے میں اوسطاً ۳۰ ماہ کی مدت پر مشتمل پے در پے چار حکومتیں بنیں، جو ناکام ہوتی رہیں اور بالآخر اکتوبر ۱۹۹۹ء میں ملک میں پھر مارشل لا لگا دیا گیا، جو تقریباً ۱۰ سال تک مختلف صورتوں میں سیاسی نظام کی پشت پہ کام کرتا رہا۔ اس دوران معاشی پالیسی کی سمت اور اس کا تسلسل برقرار نہ رہ سکا اور ترقی کی شرح ۴ فی صد سے بھی کم ہوگئی۔ بعض تجزیہ نگار اس عرصے کو 'معاشی ترقی کا گم شدہ عشرہ' بھی قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس دور میں معاشی ترقی کا عمل معکوسیت کا شکار ہوگیا۔ افراطِ زر کا دباؤ بڑھ گیا اور ملک کو پہلی دفعہ دیوالیہ ہونے کے خطرات لاحق ہوگئے۔ اس دور کی درجہ ذیل خصوصیات قابل ذکر ہیں:

(ا) نج کاری کا اجرا؛ (ب) معاشی میدان میں حکومتی منظوریوں اور کنٹرول کی تمام صورتوں کا خاتمہ یا ان میں بڑی کمی اور آسانیاں؛ (ج) نجی شعبے کی بتدریج معاشی عمل میں شمولیت اور بالخصوص ان کے لیے نئے شعبوں، مثلاً بجلی کی پیداوار میں سرکاری کاری کی اجازت؛ (د) نئے ریگولیٹری اداروں کا قیام (نیپرا اور پی ٹی اے وغیرہ)؛ مرکزی بنک کو خودمختاری دینے کا آغاز؛ سیکیورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن (ایس ای سی) کا قیام اور کیپٹیل مارکیٹ کی وسعت شامل ہیں۔

اس عرصے میں بیرونی وسائل کی کمیابی ایک بڑا چیلنج بن کر سامنے آئی، لہٰذا 'عالمی مالیاتی فنڈ' کے پاس حکومتِ پاکستان کا جانا ناگزیر ہوگیا۔ اس کی پہلی درخواست اور شرائط کی منظوری خود جنرل محمد ضیاء الحق کی بنائی ہوئی عبوری حکومت کے وزیرخزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دے دی تھی۔ اگرچہ اس پر عمل درآمد بے نظیر حکومت (۱۹۸۸-۹۰ء) نے کیا۔ بعدازاں ۲۰ ماہ بعد جب بے نظیر کی حکومت ختم کی گئی تو محمد نواز شریف کی پہلی حکومت (۱۹۹۰-۹۳ء) نے اس پروگرام پر عمل درآمد روک دیا۔ اس کے بعد نواز حکومت نے معاشی میدان میں ایسے فیصلے کیے جو مقبول ضرور تھے، لیکن ان کی معاشی حکمت مشتبہ تھی۔ لہٰذا، کچھ ہی عرصے میں معاشی اشاریوں میں عدم توازن پیدا ہونا شروع ہوگیا، خصوصاً بیرونی ادائیگیوں کا توازن اور زرمبادلہ کے ذخائر تیزی سے کم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے لگے۔ اس فضا میں اپریل ۱۹۹۳ء کے شروع میں ایک درخواست عالمی مالیاتی فنڈ کو دی گئی۔

دوسری طرف نواز حکومت، صدرِ مملکت سے محاذ آرائی میں اُلجھ گئی، جو بالآخر ۱۸؍اپریل ۱۹۹۳ء کو ان کی معزولی کا باعث بن گئی۔ عبوری وزیراعظم (۱۸؍اپریل-۲۶ مئی ۱۹۹۳ء) بلخ شیر مزاری کے وزیر خزانہ سردار فاروق لغاری نے 'فنڈ' سے ایک نئے پروگرام کے لیے ابتدائی مذاکرات شروع کیے، گو وہ نامکمل رہے، کیوں کہ سپریم کورٹ نے نواز حکومت کو بحال کر دیا۔ اس کے بعد بھی صدر اور وزیراعظم کے درمیان کشیدگی نہ صرف جاری رہی بلکہ مزید بگڑ گئی۔ اس کا خاتمہ اس وقت ہوا جب چیف آف آرمی اسٹاف جنرل وحید کاکڑ نے دونوں کو استعفا دینے پر راضی کرلیا اور ۱۹۹۳ء میں نئے انتخابات کا راستہ کھل گیا۔ عبوری حکومت میں وزارتِ عظمیٰ (۱۸ جولائی-۱۹؍اکتوبر ۱۹۹۳ء) کے لیے ڈاکٹر معین قریشی صاحب کو درآمد کیا گیا، جن کی حکومت کی عبوری نوعیت کے باوجود فنڈ کے ساتھ مذاکرات مکمل کرلیے اور ایک نیا پروگرام شروع کر دیا۔

ابتدا میں بے نظیر کی دوسری حکومت (۱۹۹۳ء-۱۹۹۶ء) نے اس پروگرام کو اپنا لیا، لیکن جلد ان سخت مشکل اصلاحات کو جاری نہ رکھ سکی۔ ایک سال بعد ہی یہ پروگرام معطل ہوگیا۔ دوسری طرف حکومت اور اپوزیشن کے درمیان محاذ آرائی تیزی سے بڑھنے لگی اور پنجاب میں مرکز کی اتحادی حکومت کے ساتھ بھی زبردست اختلافات کھڑے ہوگئے۔ ان مسائل نے حکومت کو کمزور کر دیا اور آہستہ آہستہ وہ خود اپنے بنائے ہوئے صدر کے ہاتھوں معزولی کا شکار ہوگئی۔ جب حکومت کا خاتمہ ہوا اس وقت نئے وزیر خزانہ نوید قمر کے ساتھ 'فنڈ' کے مشن کے مذاکرات نئے پروگرام کے لیے کامیاب ہوگئے تھے، لیکن اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

دوسری نواز حکومت (۱۹۹۷ء-۱۹۹۹ء) زبردست عوامی اعتماد کے ساتھ منتخب ہوئی اور اس نے ایک بڑی پارلیمانی حمایت کے ساتھ وہ آئینی ترمیم ختم کردی، جو صدر کو اسمبلی توڑنے کا اختیار دیتی تھی۔ لیکن اس غیر معمولی تحفظ کے علی الرغم یہ حکومت جلد ہی عدلیہ اور صدر کے ساتھ غیر ضروری مسائل میں اُلجھ کر رہ گئی اور اس حکومت کا خاتمہ ڈرامائی انداز میں چیف جسٹس سجاد علی شاہ کی برادر ججوں کے ہاتھوں برطرفی اور صدر فاروق احمد خان لغاری کے استعفا کی شکل میں سامنے آیا۔ کچھ عرصے بعد مئی ۱۹۹۸ء میں بھارت نے ایٹمی دھماکے کیے، جس کے جواب میں پاکستان نے بھی مئی ۱۹۹۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی میں ایٹمی دھماکے کر دیے۔ جس کے جواب میں اُسے مغرب کی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقعے پر حکومت نے ایک بڑی غلطی کر کے ملک میں موجود فارن کرنسی اکاؤنٹس کو غیر ضروری طور پر منجمد کر دیا، جس سے سرمایہ کاروں کا اعتماد بُری طرح مجروح ہوا۔ بعدازاں آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت کے ساتھ بھی طرزِ حکمرانی کے معاملے میں اختلافات کھڑے ہو گئے اور بالآخر انھوں نے بھی استعفا دے دیا اور حکومت کو نیا آرمی چیف بنانے کا موقع مل گیا، لیکن ان کا نئے چیف جنرل پرویز مشرف سے بھی نباہ نہ ہوسکا کیونکہ کارگل کی مہم جوئی کے نتیجے میں وزیراعظم نے ان کو برطرف کرنے کی کوشش کی اور فوج نے جوابی قدم اُٹھا کر حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اس نئی حکومت نے ابتدا میں اس پروگرام کو شروع کرنے کی کوشش کی جس پر بے نظیر بھٹو حکومت میں اتفاق ہو گیا تھا۔ لیکن جلد ہی یہ پٹڑی سے اُتر گیا اور بعدازاں ایٹمی دھماکوں پر لگنی والی پابندیوں کی وجہ سے ملک کو قرضوں کی خاطر ازسرِنو پیرس اور لندن کلب جانا پڑا، جس کے لیے 'فنڈ' کا پروگرام لازمی ضرورت تھی۔ لہٰذا، معطل شدہ (Rescheduling) ادائیگیوں کے لیے شرائط رکھی گئیں۔ یہ عمل ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ حکومت ختم ہوگئی اور اسی پروگرام کو دوبارہ شروع کرنا پڑا۔

یہ ہے وہ دور جب قومیائے گئے اداروں میں بڑے پیمانے پر سیاسی مداخلت شروع ہوگئی اور خصوصاً بنکوں اور مالیاتی اداروں سے سیاسی بنیادوں پر قرضوں کا اجرا شروع ہوگیا۔ ایک طرف سیاسی بنیاد پر دیے گئے قرضوں سے بنکوں کا دیوالیہ نکل گیا، تو دوسری طرف اس ریاستی سرپرستی سے فیض یاب ہونے والے عناصر سیاسی طور پر مضبوط ہوتے چلے گئے۔

ذیلی دور: ۲- فوجی حکومت (۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۸ء)

یہ دور معاشی اعتبار سے سیاسی استحکام اور پالیسیوں کے تسلسل کا دور ہے۔ ہر چند کہ اس کا آغاز نسبتاً سُست رہا، لیکن نائن الیون کے فوراً بعد بیرونی وسائل کی آمد بڑھ گئی۔ جب تک امریکا کی نظرِالتفات قائم رہی (جو مشرف اور صدر بش کی دوستی تک موجود رہی) آسانیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس دور کا آغاز ناخوش گوار حالات میں ہوا تھا، جب مئی ۱۹۹۹ء میں کارگل کی جنگ کے بعد وزیراعظم اور آرمی چیف میں اعتماد کا شدید فقدان پیدا ہوگیا تھا اور حالات بتدریج یوں مرتب ہوئے کہ منتخب جمہوری حکومت کو فوج نے ختم کر دیا۔ پہلے تین سال تک یہ فوجی حکومت اس انداز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلائی گئی، جیسے ایک کارپوریشن کو چلایا جاتا ہے۔ سیاست کا حکومت میں وہ دخل جو سیلابی شکل میں ہماری قومی زندگی میں شامل ہوگیا تھا، اس کے اثرات بہت حد تک ختم ہوگئے۔ معاشی عمل آہستہ آہستہ مستحکم ہوتا گیا۔ اسی دوران عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں کم ترین سطح پر آگئی تھیں، جس کی وجہ سے افراطِ زر بھی کم ہوگیا۔ سرمایہ کاری میں اضافہ ہونے لگا۔ شرح تبادلہ مستحکم ہوئی اور زرمبادلہ کے ذخائر تاریخی سطح پر پہنچ گئے۔ جی ڈی پی میں اضافے کی شرح ۶۰ کے عشرے والی رفتار سے بڑھنے لگی۔ اس زمانے میں یوں لگتا تھا کہ ملک تیز رفتار ترقی کر کے شاید دنیا کی اُبھرتی (Emerging) معیشتوں کی صف میں شامل ہوجائے گا۔ تین سال کے بعد ۲۰۰۲ء میں فوجی حکومت نے انتخابات کرا کے ایک کنٹرولڈ جمہوری نظام کی بنیاد رکھی اور مسلم لیگ (ن) کے جبری خلا کو ایک نئی مسلم لیگ (ق) بنا کر پورا کیا گیا جو پیپلز پارٹی کے کچھ اراکینِ پارلیمنٹ کے ساتھ حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے اپنی مدت بھی پوری کی۔ لیکن حکومت عملاً فوج ہی کے ہاتھوں میں رہی، کیوں کہ جنرل مشرف نے وعدہ کرنے کے باوجود صدر ہوتے ہوئے وردی نہیں اتاری۔ جوں جوں ۲۰۰۷ء کے انتخابات کا وقت قریب آتا گیا، نئی صف بندیاں ہونے لگی اور امریکا سے تعلقات میں سردمہری کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔

پھر جس طرح ماضی کی حکومتوں کو حادثات کا سامنا کرنا پڑا، خود جنرل مشرف حکومت کے خاتمے کا سبب ان کا یہ خوف بنا کہ اس وقت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ان کو دوسری مدت کے لیے صدر منتخب ہونے کے خلاف درخواست کو قابلِ سماعت قرار دے کر فیصلہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس سے پیدا ہونے والی بداعتمادی اس حد تک بڑھی کہ جنرل پرویز مشرف نے چیف جسٹس سے ایک ملاقات میں استعفا طلب کیا، جس سے انھوں نے انکار کردیا اور صدر نے ان کے خلاف سپریم جوڈیشل کونسل میں ریفرنس بھیج دیا۔ اس کے ساتھ ہی وکلا کی زبردست تحریک شروع ہوگئی اور سپریم کورٹ نے چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس کو مسترد کردیا اور ان کو اپنے عہدے پر بحال کردیا۔ لیکن اس کے باوجود عدلیہ اور جنرل مشرف کے درمیان ٹکراؤ جاری رہا اور صدر انتخاب جیتنے کے بعد بھی پے دَرپے مشکلات کا شکار ہوتے رہے اور بالآخر اگست ۲۰۰۸ء میں ان کے اقتدار کا سورج غروب ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان واقعات کا آغاز مارچ ۲۰۰۷ء میں ہوا اور ۱۶ ماہ میں یہ واقعات مختلف شکلوں میں ظہور پذیر ہوتے رہے۔ یوں عملاً مارچ ۲۰۰۷ء ہی سے حکومت کی توجہ اہم مملکتی اُمور سے ہٹ گئی اور بڑی محنت سے حاصل کیا ہوا سارا معاشی اور سیاسی استحکام ابتری کا شکار ہوگیا۔ عالمی مالیاتی بحران سر اٹھا رہا تھا، لیکن بٹی ہوئی توجہ اور غفلت نے اصلاحی اقدامات اُٹھانے کا موقع نہیں دیا اور معیشت تیزی سے بحران کی طرف لڑھکنے لگی۔ جب اکتوبر ۲۰۰۸ء میں مالیاتی بحران آیا تو وفاق میں پیپلز پارٹی کی نئی حکومت نے اپنی ناکامیوں کا سارا ملبہ سابق صدر جنرل مشرف اور سابق وزیراعظم شوکت عزیز کے سر ڈال دیا۔

ذیلی دور: ۳-جمہوریت کا احیا (۲۰۰۸ء تا حال)

یہ دور جو اَب بھی جاری ہے جنرل مشرف اور ان کے وضع کردہ نظام کے خاتمے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ۲۰۰۸ء میں برسرِ اقتدار آنے والی جمہوری قوتوں نے بلاجھجک اس سارے نظام کو آہستہ آہستہ جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا، اس بات سے قطع نظر کہ یہ عمل کس قدر مبنی برانصاف تھا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ۱۰ سال کے بعد ملک پھر اسی بے یقینی کا شکار ہوگیا، جس کے خاتمے کی نوید فوجی حکومت نے دی تھی۔ اس طرح پالیسیوں میں ردوبدل اور ترجیحات کو متعین کرنے کا عمل دوبارہ شروع کرنا پڑا۔ اس سب کا گہرا اثر ملک کی معیشت اور سرمایہ کاروں کے اعتماد پر پڑا اور باہر کی دنیا بھی یہ سمجھنے لگی کہ: ''پاکستان جیسے ملک میں کبھی، کچھ بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا، ان کے ساتھ کام کرنے میں خطرات زیادہ ہیں، جن کا خیال رکھنا چاہیے اور شاید کام کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے''۔

اس دور کے پہلے حصّے میں حکومت پیپلز پارٹی نے بنائی اور اپنی مدت بھی پوری کی، تاہم اس دوران ایک وزیراعظم کو سپریم کورٹ نے نااہل بھی قرار دے دیا۔ پیپلز پارٹی اپنا صدر بھی لانے میں کامیاب ہوگئی اور آرمی چیف کو توسیع بھی دے دی۔ لیکن یہ دور معاشی ترقی کے میدان میں کوئی خاطرخواہ کامیابی حاصل نہیں کرسکا، جس کی ایک وجہ تو شدید عالمی مالیاتی بحران تھا، جس کے ساتھ تیل کی عالمی قیمت ۱۵۰ ڈالر تک پہنچ گئی تھی اور شرح تبادلہ میں بھی بڑا اضافہ ہوگیا۔ دوسرا یہ کہ امریکا نے پاکستان پر زور ڈال کر اسے آئی ایم ایف کے پروگرام میں شامل کرا دیا، جس نے شرح سود میں اضافہ کرنے کی سابقہ شرط لگادی، جس کے ساتھ قیمتوں میں اضافے کا سلسلہ بھی شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگیا۔ یوں وہ معاشی استحکام، جو فوجی حکومت کے دور میں نظر آتا تھا، پھر ختم ہوگیا۔

نئی حکومت چوں کہ سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ کے بہیمانہ قتل کے بعد وجود میں آئی تھی، لہٰذا اتنے بڑے المیے اور حادثے کے نتیجے میں پارٹی کی قیادت نسبتاً غیر تجربہ کار ہاتھوں میں آگئی۔ بعدازاں آصف علی زرداری صاحب کے صدر بنتے ہی طاقت کے کئی مراکز وجود میں آگئے اور پالیسی سازی کے لیے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ حاصل نہ رہی، بلکہ اس میں بڑا بگاڑ پیدا ہوگیا۔ ۲۰۱۰ء میں ملک ایک بڑے سیلاب سے دوچار ہوگیا، جس سے جانی اور مالی نقصانات اُٹھانے پڑے۔ ایک اور مسئلہ جس میں حکومت اُلجھی رہی، وہ عدلیہ سے کشیدہ تعلقات تھے جس کی وجہ سے اس کی کارکردگی متاثر ہوئی۔

یہ عرصہ ایک اور لحاظ سے سخت مشکلات کا شکار رہا، جو امریکا سے ہمارے تعلقات سے متعلق ہے۔ نئی حکومت کے ساتھ ہی امریکا میں ری پبلکن حکومت ختم ہوگئی اور بارک اوباما صدر بن گئے۔ گو وہ عراق جنگ کے خلاف تھے، لیکن اس الزام سے بچنے کے لیے کہ ڈیموکریٹک لیڈر دفاع کے معاملے میں نرم رویہ رکھتے ہیں، انھوں نے بغیر کسی مؤثر دلیل کے افغانستان میں امریکا کی جنگ کو 'مبنی برانصاف' قرار دیا اور وہاں فوج میں اضافے کی منظوری دے دی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے قیام کی مدت بھی متعین کردی، جو ۲۰۱۴ء تک تھی۔ اس وجہ سے امریکا اور اتحادیوں کی فوج کی تعداد ۱۳۰ ہزار تک پہنچ گئی۔

صدر جنرل مشرف کے منظر سے ہٹتے ہی نئی حکومت اور امریکا کے درمیان تعلقات کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا، جو تجزیہ نگاروں کے نزدیک پاکستان کے مُلکی مفاد میں نہیں تھا۔ پھر کچھ تلخ واقعات بھی اسی پس منظر میں پیش آئے۔ ان میں چار بہت اہمیت کے حامل ہیں: بلیک واٹر سے وابستہ اہل کاروں کی بڑے پیمانے پر پاکستان اور خصوصاً اسلام آباد میں مبینہ آمد؛ اسامہ کی ایبٹ آباد میں مبینہ موجودگی اور اس کو ہلاک کرنے کے لیے امریکا کی یک طرفہ کارروائی؛ ایک امریکی کنٹریکٹر ریمنڈ ڈیوس نے دن دہاڑے لاہور میں دو افراد کو قتل کردیا اور پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ اس کی رہائی کے مطالبے سے امریکا اور پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہوگئے؛ اور، سب سے

بقیہ دیکھیے ص ۱۰۵ پر

© rasailojaraid.com